

حقیقت تصوف

ڈاکٹر پیر محمد حسن

صوفی کا لفظ سنتے ہی اس لفظ کی ماہیت اور ان لوگوں کے اعتقادات اور اس مذہب کی بنیاد کے بارے میں ذہن میں سوالات اٹھنے لگ جاتے ہیں۔ ہر شخص اپنے خیال اور اپنے ذہن کی ساخت کے مطابق اس میں معانی گھسیڑنا چاہتا ہے حالانکہ درست بات لازمی طور پر وہی ہوتی ہے اور ہونی چاہیے جو ان کے اپنے لوگ کہیں چنانچہ یہاں ہمیں ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری ۳۶۵ھ جیسی بزرگ ہستی مل جاتی ہے۔ قشیری صوفی، مفسر، محدث، فقیہ، ادیب اور شاعر سبھی کچھ تھے۔ انہوں نے اپنے رسالہ میں صوفی اور تصوف کے بارے میں الگ باب باندھا ہے، فرماتے ہیں:

لیس یشہد لہذا الاسم من حیث العربیۃ قیاس ولا اشتقاق۔

(عربی زبان کے اعتبار سے اس نام کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے نہ اشتقاق سے)

اس کے بعد فرماتے ہیں: والأظہر فیہ أنه کاللقب (امر واضح یہی ہے کہ یہ لقب کی طرح ہے) پھر فرماتے ہیں:

أما قول من قال انه من الصوف وتصفو اذا لبس الصوف كما یقال

تقمصّ اذا لبس القمیص فذلک وجہ (۱)۔

جو یہ کہہ کہ یہ لفظ صوف سے لیا گیا ہے اور تصوف کے معنی ہیں اس نے صوف پہنا جس طرح تقمص کے معنی ہیں اس نے قمیص پہنی تو یہ ایک وجہ ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ جو دیگر احتمالات پیش کئے جاتے ہیں وہ قشیری کے نزدیک درست نہیں، فرماتے ہیں: جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ صفہ سے نکلا ہے اور صفہ سے مراد صفہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو یہ اس لئے درست نہیں کہ صفہ سے اسم نسبت صوفی نہیں آسکتا۔ یا جن لوگوں نے اسے صفا سے مشتق سمجھا ہے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ صوفی کو صفا سے مشتق سمجھنا عربی زبان کے تقاضوں سے مطابقت نہیں کھاتا۔ نیز جن لوگوں نے اسے صف سے مشتق سمجھا ہے اور مراد یہ لی ہے کہ اپنے دلوں کے ساتھ باگاہ رب العزت میں حاضر ہوتے ہوئے یہ صف اول کے لوگ ہیں تو معنی کے اعتبار سے یہ درست ہے مگر عربی لغت کے قوانین کے مطابق صف سے اسم نسبت صوفی نہیں آسکتا۔

قشیری رحمہ اللہ نے بڑی وضاحت سے اس لفظ کی توجیہ بیان کر دی ہے لہذا اس وضاحت کے ہوتے ہوئے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنا غلط اور نامناسب ہے۔

مگر ہمارے مہربان مستشرقین اپنی بیخ لگائے بغیر نہیں رہتے اور جو زہر ان کے دماغوں میں اسلام اور مسائل اسلام کے خلاف بھری ہوئی ہے اس کا اظہار کرنے سے باز نہیں آتے۔ صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں۔

وعندنا انها مشتقة من لفظة يونانية الأصل هي صوفيا ومعناها
الحكمة (۲) .

(ہمارے نزدیک یہ لفظ ایک یونانی الاصل لفظ سے مشتق ہے اور یہ لفظ صوفیا ہے) جس کے معنی حکمت کے ہیں۔

نولڈ کے (Noldke) نے بھی تصوف پر ایک مقالہ لکھا ہے جس میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے (۳) راقم کہتا ہے کہ جرجی زیدان کا یہ کہنا کہ یہ یونانی لفظ صوفیا سے لیا گیا ہے غلط ہے کیونکہ عربی زبان کے اصولوں کے مطابق اس لفظ سے اسم نسبت صوفیایوی ہونا چاہیئے نہ کہ صوفی -

اب رہا یہ سوال کہ ان صوفیہ کے کیا عقائد ہیں اور ان کے مذہب کی بنیاد کس چیز پر ہے تو یہاں بھی قشیری رحمہ اللہ ہماری رہنمائی کرتے ہیں ، فرماتے ہیں :

اعلموا رحمکم اللہ أن شیوخ هذه الطائفة بنوا قواعد أمرهم علی اصول صحیحة فی التوحید صانوا بها عقائدهم من البدع ودانوا بما وجدوا علیہ السلف وأهل السنة من توحید لیس فیہ تمثیل ولا تعطیل وعرفوا ما هو حق القدم (۳)۔

تمہیں معلوم ہونا چاہیئے خدا تم پر رحم کرے کہ اس جماعت کے شیوخ نے تصوف کے اصولوں کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے اور انہوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے محفوظ رکھا ہے اور ان قواعد کی پیروی کی ہے جن پر انہوں نے سلف صالحین اور اہل سنت کو پایا ہے یعنی ایسی توحید جس میں نہ فرقہ ممثله کی تمثیل پائی جاتی ہے نہ فرقہ معطلہ کی تعطیل اور انہوں نے قدم یعنی خدائی قدیم کے حق کو پہچانا ہے -

صوفیہ کے شیوخ کی لاتعداد ایسی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں جن میں انہوں نے اپنے عقائد اور ان عقائد کی بنیاد کا ذکر کیا ہے - یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں :

۱ - ابوسلیمان دارانی متوفی ۲۱۵ ھ فرماتے ہیں :

ربما وقع فی قلبی النکتة من نکت القوم ایاماً فلا اقبل منه إلا

بشاهدین عدلین الکتاب والسنة (۵) -

(بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صوفیہ کے نکات میں سے کوئی نکتہ کئی دن تک میرے دل پر وارد ہوتا رہتا ہے مگر میں اسے دو عادل شاہدوں یعنی کتاب و سنت کی تائید کے بغیر قبول نہیں کرتا)۔

۲۔ ابو عبد اللہ الحارث بن اسد المحاسبی متوفی ۲۳۳ھ فرماتے ہیں:
من صحح باطنه بالمراقبة والاخلاص زين الله ظاهره بالمجاهدة
واتباع السنة (۶)۔

۳۔ سهل تستری رحمہ اللہ م ۲۸۳ھ فرماتے ہیں:
اصولنا سبعة اشياء التمسك بكتاب والإقتداء بسنة رسول الله صلى
الله عليه وسلم وأكل الحلال وكف الأذى وإجتنب المعاصي والتوبة و
أداء الحقوق (۷)۔

(ہمارے سات اصول ہیں کتاب اللہ کو مضبوط پکڑنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرنا، حلال کی روزی کھانا، کسی کو دکھ نہ دینا، گناہوں سے پرہیز کرنا، توبہ کرنا، اور لوگوں کے حقوق ادا کرنا۔

۴۔ ابوالقاسم جنید بن محمد متوفی ۲۹۷ھ فرماتے ہیں:
(أ) علمنا هذا مقيد بالكتاب والسنة (۸)۔

(ب) من لم يحفظ القرآن ولم يكتب الحديث لا يقتدى به في هذا
الأمر لأن علمنا هذا مقيد بالكتاب والسنة۔

(جس نے نہ قرآن حفظ کیا ہو نہ حدیث لکھی ہو، تصوف کے معاملہ میں اس کی پیروی نہیں کی جائے گی اس لئے کہ ہمارے علم میں کتاب و سنت کی قید پائی جاتی ہے۔

۵۔ ابو حمزہ محمد بن ابراہیم بغدادی متوفی ۲۸۹ھ فرماتے ہیں:
من علم طريق الحق سهل عليه سلوكه ولا دليل على الطريق إلى
الله إلا متابعة الرسول صلى الله عليه وسلم في احواله وأفعاله وأقواله۔

(جس شخص نے طریق حق کو معلوم کر لیا اس کیلئے اس راستہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور اللہ کے راہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور اقوال اور افعال کی تابعداری کئے بغیر کوئی رہنمائی نہیں ہو سکتی)۔

یہ ہیں وہ بلند اقوال اور پاکیزہ احوال جو ان لوگوں کے طرہ امتیاز ہیں باین ہمہ لوگ ان پر زبان طعن دراز کرنے میں کوشاں رہتے ہیں سب سے زیادہ ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ پر طعن و تشنیع کی گئی ذرا ان کا بھی عقیدہ سن لیجئے۔

انہوں نے فتوحات مکہ کے آخری باب ۵۶۰ میں دو سو کے قریب وصیتیں دی ہیں ایک وصیت میں فرماتے ہیں :

علیک بالإقتداء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی أحوالہ و أقوالہ و أفعالہ إلا ما نص علیہ أنه مختص به فیما لا یجوز لنا أن نفعله۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اقوال و افعال کی تابعداری کرنا اپنے اوپر لازم سمجھو سوائے ان امور کے جن کے بارے میں آپ نے وضاحت سے فرما دیا ہے کہ وہ آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے اور ہمارے لئے ان کا کرنا جائز نہیں)۔

یہ ہے ان کا مذہب اور یہ ہیں ان کے بنیادی اصول بھلا یہ لوگ ان بلند اصولوں کو چھوڑ کر کہیں اور جا سکتے ہیں یا اغیار کی طرف ان کی توجہ ہو سکتی ہے۔ پھر بھی نکلسن لکھتا ہے۔

(A Literary History of the Arabs: 231)

Accordingly I do not think that we need look beyond Islam for the origin of the Sufi doctrine, although it would be a mistake not to recognise the part which christian influence have had in shaping their early development.

یہاں نکلسن کہہ رہا ہے کہ تصوف کی تعلیمات میں عیسائیت کے اثر کو تسلیم نہ کرنا غلطی ہے اس قول میں نکلسن اپنی اسلام دشمنی کے اظہار سے باز نہیں رہ سکا۔ یہی حال دیگر مستشرقین کا ہے کیونکہ استشراق کی بنیاد ہی پادریوں نے ڈالی تھی۔

سب سے پہلا شخص جسے صوفی لقب دیا گیا ابوہاشم کوفی ہیں، انہوں نے ۱۶۰ھ کے قریب وفات پائی۔

ان کے بارے میں سفیان ثوری م ۱۶۱ھ جیسے عظیم المرتبہ محدث فرماتے ہیں

ما زلت ارائی وأنا لا اشعر حتى جالست اباہاشم فاخذت منه ترک الریاء (۱)۔

(ایک عرصہ تک میں ریاکاری کرتا رہا اور مجھے اس بات کا احساس ہی نہ ہوا (کہ میں ریاکاری کر رہا ہوں) تا آنکہ میں ابوہاشم کی صحبت میں بیٹھنے لگا تو ان سے میں نے ریاکاری کو ترک کرنا سیکھا)۔

ان کے زہد وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جب انہوں نے شریک قاضی (م ۱۷۷ھ) کو یحییٰ بن خالد برمکی (م ۱۹۰ھ) کے گھر سے نکلنے ہوئے دیکھا تو رو پڑے اور فرمایا:

أعوذ بالله من علم لا ینفع

صوفیہ نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے بہت جلد تصانیف کرنا شروع کر دیا تھا چنانچہ سب سے پہلے عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ م ۱۸۱ھ نے کتاب الزہد لکھی۔ انہوں نے اس میں ان احادیث کا ذکر کیا ہے جن میں زہد کی ترغیب پائی جاتی ہے۔

اسی طرح ابو عبداللہ حارث بن اسد محاربی م ۲۳۳ھ نے کتاب الخلوہ و التقل فی العبادہ | التفکر والاعتبار اور الرعاۃ لحقوق اللہ لکھی۔

مگر یہ کتابیں خاص موضوعوں پر لکھی گئی تھیں۔
 پھر وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے انہوں نے ایسی
 کتابیں تالیف کیں جو صوفیہ کے متعدد مسائل پر مشتمل ہوں چنانچہ
 جس طرح عربی ادب میں چار کتابیں بنیادی تصور کی جاتی ہیں
 اسی طرح تصوف میں بھی چار کتابوں کو بنیادی حیثیت دی جاتی ہے۔
 سب سے پہلے ہم کتاب التعرف کو لیتے ہیں۔

اسکے مصنف ابو بکر بن ابواسحاق محمد بن ابراہیم بن یعقوب
 بخاری کلاباذی ہیں۔ کتاب کا نام التعرف لمذہب اہل التصوف ہے۔
 کتاب کے نام ہی سے اس کے موضوع کا پتا چل جاتا ہے۔ اسی کتاب
 پر کلاباذی کی تمام تر شہرت کا مدار ہے۔ کلاباذی نے اس کتاب میں
 صوفیہ کے عقائد احوال اور بعض اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔
 کلاباذی نے اس کتاب کے لکھنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔

آربری اس بارے میں خاموشی سے گذر گیا ہے۔ صوفیہ کے اخلاق اس
 بات کی اجازت نہیں دیتے کہ کسی کا نام لے کر اس کی برائی بیان
 کی جائے یہی وجہ ہے کہ کلاباذی نے کسی کا صراحتاً ذکر نہیں کیا مگر
 کتاب کی بعض عبارتوں پر غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے
 کہ کلاباذی اہل سنت کا عقیدہ پیش کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ
 ہمارا عقیدہ نہ تو معتزلہ کا عقیدہ ہے نہ کرامیہ کا۔ چنانچہ فرماتے
 ہیں

اجمعوا أن القرآن كلام الله على الحقيقة وليس بمخلوق ولا

محدث ولا حدث (۱۰)

(تمام صوفیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن درحقیقت اللہ کا کلام ہے

اور یہ کہ قرآن نہ مخلوق ہے نہ محدث نہ حدث۔

کلاباذی نے یہاں قرآن کو مخلوق یا محدث یا حدث کہنے

والسوں میں سے کسی کا نام نہیں لیا تعرف کے شارح
المستملی البخاری اس قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے
ہیں۔

گفت مخلوق نیست و محدث نیست و حدث نیست اما مخلوق و
محدث معتزلہ گفتند واما حدث و حادث کرامیان گفتند چنین
گفتند کہ ما قرآن را حادث گوئیم و محدث و مخلوق نہ گوئیم و
قدیم و ازلی ہم نگوئیم (۱۱)

یہاں کلاباذی نے اپنا عقیدہ بیان کرتے ہوئے وضاحت کر دی ہے کہ
صوفیہ کا عقیدہ نہ تو معتزلہ کا عقیدہ ہے نہ کرامیہ کا اور یہ وہ زمانہ
تھا کہ کرامیہ صوفیہ کے بھیس بھیس میں لوگوں کو گمراہ کر رہے تھے
مزید برآں کلاباذی ایمان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ایمان زبان
سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور فرائض پر عمل
کرنا ایمان کی فرع ہے (۱۲)

اس کے خلاف معتزلہ اور خوارج اعمال کو ایمان کا جز و قرار
دیتے ہیں چنانچہ صوفیہ کے نزدیک فاسق مؤمن ہے اور معتزلہ اور
خوارج کے نزدیک فاسق مؤمن نہیں کیونکہ ان کے نزدیک اعمال
ایمان کا جز و ہیں اور کرامیہ کے نزدیک ایمان صرف زبان سے اقرار
کر لینے کا نام ہے خواہ دل سے اس کی تصدیق نہ بھی کی جائے لہذا
ان کے نزدیک وہ شخص جو دل میں کچھ اور ہی عقیدہ رکھے مگر
زبان سے اقرار کرے تو وہ شخص ان کے نزدیک مومن ہے۔

ان دو اندرونی شہادتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ
کلاباذی اپنی برامت بیان کرنے کیلئے یہ بتا رہے ہیں کہ ان کے عقائد
معتزلہ یا کرامیہ یا خوارج کے سے عقائد نہیں اور یہی کتاب لکھنے
کی غرض و غایت ہے۔

کلا باذی کی کتاب التعرف کو اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ شہاب الدین سہروردی مقتول ۵۸۸ھ کو یہ کہنا پڑا لولا التعرف لما عرف التصوف اسی مقبولیت کی بنا پر اس کتاب کی شرحیں لکھی گئیں۔

حاجی خلیفہ نے اس کتاب کی چار شرحوں کی نشان دہی کی ہے (۱) خود کلا باذی نے اس کی شرح لکھی جس کا نام حسن التعرف رکھا۔ مگر آربری نے اسے غلط قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ نام تو قونوی کی شرح کا ہے۔

(۲) عبداللہ بن محمد بن علی الانصاری الہروی المتوفی (۲۸۱ھ) نے بھی اس کی شرح لکھی۔

(۳) علاؤ الدین علی بن اسماعیل القونوی المتوفی ۲۹۷ھ نے بھی شرح لکھی۔

(۴) اسماعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی المتوفی ۳۳۳ھ نے بھی شرح لکھی۔ یہ شرح چھپ چکی ہے اور مستملی نے اس میں بہت مفید باتیں پیش کی ہیں۔

المستملی کلا باذی کیلئے شیخ کا لفظ استعمال کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے کلا باذی سے استفادہ کیا ہے۔

مستملی پہلے اصل عبارت کا فارسی میں ترجمہ پیش کرتے ہیں پھر موقعہ اور محل کے مطابق اس کی شرح بھی کرتے ہیں مگر کئی ایک مقامات پر ترجمہ کی بجائے محض مفہوم دے دیا ہے کلا باذی کی ایک اور تصنیف کا بھی پتا چلتا ہے جس کا نام بحر الفوائد فی معانی الاخبار ہے اس میں کلا باذی نے ۲۲۲ احادیث کی شرح کی ہے۔

مستملی نے کلا باذی کی ایک اور کتاب کا ذکر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں (شرح تعرف: ۲: ۱۶۶): باز شیخ رحمة الله در کتاب کہ آنرا مثل الروح و الجسد و القلب نام کرده است .

اسی زمانہ میں ابو نصر عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ سراج طوسی نے کتاب اللمع فی التصوف لکھی ابونصر زاہدوں کی اولاد سے تھے فتوت اور صوفیہ کی ترجمانی کرتے میں یہ اپنے علاقے میں مرجع خلائق تھے انہوں نے مسائل تصوف کی تائید میں شرعی دلائل و برہین پیش کئے ہیں۔ سراج صوفیہ کے فقیہ مانے جاتے تھے۔ انہوں نے ۳۷۸ھ میں وفات پائی۔

ابوالمحاسن ۸۷۳ھ نے نجوم میں لکھا ہے کہ سراج کی وفات نیشاپور میں نماز کے دوران ہوئی اور انہیں طوس میں دفن کیا گیا۔ (آربری مقدمہ تعرف)

ذہبی کے بیان کے مطابق ان کے والد کی وفات سجدے کی حالت میں ہوئی (آربری)

ابونصر نے کتاب اللمع کو نہایت عمدہ طریقے سے مرتب کیا ہے۔ اس میں انہوں نے نہ صرف صوفیہ کے اقوال پیش کئے ہیں بلکہ ان کے اشعار اور خطوط کے اقتباسات بھی درج کر دئے ہیں۔

جن لوگوں سے انہوں نے اقوال نقل کئے ہیں ان میں بیشتر اولیائے کبار اور زہاد عظام ہوتے ہیں اور یہ ان کی خوش بختی اور عنداللہ عظیم المرتبت ہونے کا بین ثبوت ہے۔

ابونصر سراج کے ایک معاصر ابو طالب محمد بن علی بن عطیہ مکی حارثی (متوفی ۳۸۶ھ) نے بھی تصوف پر کتاب لکھی جس کا نام قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب و وصف طریق المرید الی مقام التوحید رکھا۔ کتاب کا نام سننے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ مصنف اس کتاب میں کس قسم کے مسائل اور مضامین پیش کرنا چاہتا ہے۔ حاجی خلیفہ کہتا ہے: دقائق طریقت کے بارے میں ایسی کتاب نہیں لکھی گئی اور اس کا مؤلف علوم صوفیہ کی ایسی باتیں پیش

کرتا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے پیش نہیں کیں۔ اس کتاب کی ۲۸ فصلیں ہیں مثلاً کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج وغیرہ۔ رسالہ قشیریہ کے بعض ابواب اور اس کتاب کے بعض ابواب میں مطابقت پائی جاتی ہے۔

ابوطالب کو فقہ اور حدیث میں کامل عبور حاصل تھا۔ انہوں نے فقہی مسائل کو صوفیوں کے طرز میں پیش کیا ہے اور مسائل تصوف کی دلائل کے ساتھ توضیح کی ہے۔

ابوطالب نے اس کتاب میں روز مرہ کے اس کے اس قدر روزاد درج کر دئے ہیں کہ راقم کے نزدیک اس زمانے میں ان پر عمل کرنا ناممکن ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کے پیش نظر شیخ امام محمد بن خلف اموی اندلسی متوفی ۲۸۵ھ نے اس کا اختصار کیا اور اس کا نام الوصول الی الغرض المطلوب من جواهر قوت القلوب رکھا۔ تصوف کی بنیادی کتابوں میں زمانہ کے اعتبار سے آخری کتاب جو تصوف پر لکھی گئی وہ رسالہ قشیریہ ہے اس کے مؤلف ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری (متوفی ۳۶۵ھ) ہیں۔

قشیری نے رسالہ میں خود ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اسے ۳۳۷ھ میں تالیف کیا۔ انہوں نے اس کتاب کے لکھنے کی وجہ کہیں بیان نہیں کی۔

سید عطا حسین (مقدمہ شرح گیسو دراز) کا یہ کہنا کہ یہ کتاب باطنیہ کو پیش نظر رکھ کر لکھی گئی درست نہیں کیونکہ باطنیہ نے بہت بعد کے زمانے میں زور پکڑا۔

اسی طرح آربری کا یہ کہنا (Sufism: 74) کہ یہ کتاب ملامتیہ کے خلاف لکھی گئی درست نہیں اس لئے کہ ملامتیہ کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں آیا نہ اشارۃً نہ کنایۃً

اس کے برعکس قشیری کی اپنی عبارت جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب معتزلہ اور کرامیہ کے خلاف لکھی گئی۔

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قشیری کا ذکر کیا ہے جو اس کے عظیم المرتبت محدث ہونے کی دلیل ہے۔ قشیری مفسر بھی ہیں اور محدث بھی فقیہ بھی ہیں اور ادیب بھی ہیں اور بلند پایہ شاعر بھی انہوں نے رسالہ میں ایک باب حُب کے بارے میں لکھا ہے جس میں انہوں نے لفظ حب کے اشتقاق کی لغوی تحقیق کی ہے اور ساتھ ساتھ شعری استشادات پیش کئے ہیں جس کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قشیری ایک عظیم لغت دان تھے۔

بلند پایہ مصنفین اپنی تصانیف میں قشیری کے اقوال طور سند پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۳) نے فتح الباری میں جابجا انہیں بطور سند کے پیش کیا ہے۔

قشیری نے رسالہ میں صوفیہ کے مشہور افراد کا مختصراً ذکر کر دیا ہے اور ان کے احوال و اقوال کا بھی ذکر کیا ہے اور چند اصطلاحات کی تشریح کی ہے۔ اولیاء اللہ کی کرامات کیلئے ایک الگ باب باندھا ہے اور آخر میں شیخ اور مرید کے آداب بیان کر دئے ہیں۔

رسالہ کی قدر و قیمت کے پیش نظر شیخ الاسلام قاضی القضاة زکریا بن محمد بن احمد انصاری متوفی ۹۲۵ نے اس کی شرح لکھی اور اس شرح پر استاد سید مصطفیٰ عروسی نے حاشیہ لکھا جس کا نام نتائج الأفكار القدسیة فی بیان معانی شرح الرسالة القشیرہ رکھا۔ سید مصطفیٰ عروسی نے یہ حاشیہ ۱۲۷۱ھ میں مکمل کیا۔

تصوف میں مذکورہ بالا جو کتب لکھی گئیں ان میں شرعی حدود کو مکمل طور پر پیش نظر رکھا گیا اس لئے کہ ان کے مذہب کی بنیاد

ہی کتاب و سنت پر ہے۔ یہ تو وہ امور ہیں جن پر عمل کرنا ہر نیک آدمی نہیں ہر مؤمن پر فرض ہے اہل اللہ اس سے آگے قدم رکھتے ہیں کیونکہ منتہی یہیں تک نہیں۔ ان کا مطمح نظر اور مقصد اعلیٰ قرب الہی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں لہذا یہ ان تمام منازل کو جن کا ذکر کیا گیا ہے گذر کر روحانیت کے باب میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہ روحانیت ان کی خاص باطنی کیفیت ہوتی ہے جس کے لاتعداد مراحل و مدارج ہیں۔ اس مقام پر ہر صوفی کی کیفیت اپنے اپنے مرتبہ و مقام و حال کے مطابق ہوتی ہے اس کیفیت کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا اور نہ ہی اہل ظاہر میں اس کیفیت کے سمجھنے کی طاقت ہے۔

شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجد الف ثانی متوفی ۱۰۳۳ھ نے اس کی صرف جھلک دکھائی ہے جسے میں یہاں پیش کر رہا ہوں تاکہ آپکو کچھ اندازہ ہو جائے کہ ان کے باطن کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔

فرماتے ہیں :

وَاعْلَمْ أَنَّ الرُّوحَ لَمَّا فَارَقَ الجَسَدَ بالموت الذی ہو قبل الموت وَجَدَ العَارِفُ الوَاصِلُ رُوحَهُ غَيْرَ دَاخِلٍ فِي الجَسَدِ وَلَا خَارِجٍ مِنْهُ وَلَا مُتَّصِلٍ مَعَهُ وَلَا مُنْفَصِلٍ مِنْهُ وَوَجَدَ أَنَّ للروح تَعَلُّقًا مَعَ الجَسَدِ لِصَلَاحِ الجَسَدِ بِلِغْرَضٍ يَعودُ الی الروح کماله أیضاً وَذَلِکَ التَّعَلُّقُ هُوَ مَنشَأُ الصَّلَاحِ وَالخیرِ فِي الجَسَدِ وَلِوَلَا ذَلِکَ التَّعَلُّقَ لَصَارَ الجَسَدُ بِحَدًّا فِیرَهُ شَرًّا وَنَقَصًا (۱۳)

(آپ کو معلوم ہونا چاہئیں کہ جب روح اس موت کی وجہ سے جسم سے جدا ہو جاتی ہے جو حقیقی موت سے پہلے ہوتی ہے تو عارف واصل یوں پاتا ہے کہ اس کی روح نہ جسم میں داخل ہے اور نہ جسم سے باہر نہ روح کا جسم سے اتصال ہے

اور نہ اس سے جدا ہے اور یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ جسم کی بہتری کیلئے روح کا جسم سے تعلق ہے بلکہ اس تعلق کی ایک غرض ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس روح کا کمال روح کی طرف عود کر آتا ہے یہی تعلق جسم کی صلاح و خیر کا سبب ہوتا ہے اگر یہ تعلق نہ ہو تو جسم ہمہ تن شر اور نقص بن جائے۔

حوالہ جات

- ۱- ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ ص ۱۲۸
- ۲- جرجی زیدان ، تاریخ الآداب، اللغة العربية : ۲ : ۳۲۲
- ۳- نولڈکر (Z.D. M. G (Noldeke) جلد ۲۸ صفحہ ۳۵
- ۴- ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ : ۳
- ۵- ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ ، طبع قاہرہ ، ۱۹۳۰ صفحہ ۱۶
- ۶- ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ : ۱۴ : لواقع الانوار : ۶۶
- ۷- لواقع الانوار ، ۶۶
- ۸- ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ : ۲۵
- ۹- صفة الصفوة : ۲ : ۱۴۳
- ۱۰- ابوالقاسم قشیری ، رسالہ قشیریہ ص ۱۸
- ۱۱- شرح تعرف : ۱ : ۱۵۸
- ۱۲- التعرف (ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن) : ۱۱۹
- ۱۳- مبدأ و معاد : ۲۲

